شہزادہ چارلس
ولی عہد
سلطنت برطانیہ

اسلام اور مغرب

مورخہ ۲۷ / اکتوبر ۱۹۹۳ء کو آکسفورڈ کے "مرکز برائے اسلامی مطالعات" (سنٹر آف اسلامک اسٹڈیز) کے افتتاحی اجلاس میں شہزادہ چارلس ولی عہد سلطنت برطانیہ نے جو تقریر کی اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تقریر سعودی عرب کے انگریزی روزنامہ "عرب نیوز" میں مورخہ یکم نومبر ۱۹۹۳ء کو شائع ہوئی۔

خواتین و حضرات !

جب میں نے پہلے پہل اس موضوع پر غور کرنا شروع کیا تو مجھے مشورہ دیا گیا کہ میں عربی کی اس ضرب المثل سے اطمینان حاصل کروں کہ "ہر ایک دماغ میں تھوڑی بہت عقل ہوتی ہے۔" مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ مجھ میں علم و فضل کی وہ صلاحیتیں نہیں ہیں جو اس مقام پر کھڑے ہونے کا مستحق بناتی ہیں۔ مجھ سے پہلے بہت سے عالم اور فاضل اس مقام سے اپنے خیالات کے اظہار کے ذریعے انسانی علم میں بیش بہا اضافہ کر چکے ہیں۔ اگر میں ٹیکنیکل کالج کا طالب علم ہونے کے بجائے آپ کی موقر یونیورسٹی (آکسفورڈ) کا طالب علم رہا ہوتا تو میں اپنے کو اس کا زیادہ بہتر طور پر مستحق

سمجھتا کہ اس جگہ سے آپ کو مخاطب کروں۔ اگرچہ اس حقیقت سے آپ بھی ناواقف نہیں ہوں گے کہ کیمبرج میں اسلامی مطالعہ کا آغاز سترھویں صدی میں ہو گیا تھا۔ آپ میں سے اکثر کے برخلاف میں ماہر اسلامیات نہیں ہوں، تاہم مجھے خوشی ہے کہ مجھے آکسفورڈ کے اس "مرکز برائے اسلامی مطالعات" کا سرپرست بنایا گیا ہے۔ اس ادارے میں یہ صلاحیت ہے کہ برطانیہ میں عالم اسلام کی بابت تفہیم اور معلومات کی وسیع پیمانے پر فراہمی و ترسیل کو فروغ دینے کا ایک اہم اور پُرکشش مرکز بن سکے۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ مرکز آکسفورڈ کے دیگر اسلامی مطالعہ کے مراکز مثلاً اورینٹیل انسٹی ٹیوٹ" اور "مڈل ایسٹ سنٹر" کی طرح اس یونیورسٹی کا ایک اہم اور باوقار مرکز بن جائے گا جس پر دانشور طبقہ بجا طور پر ناز کرے گا۔

ایک پیچیدہ اور متنازعہ فیہ موضوع کی بابت اپنے خدشات کے باوجود، آپ مجھ سے سوال کر سکتے ہیں کہ اس شان دار عمارت میں اسلام اور مغرب کے موضوع پر گفتگو کے لیے کیوں میں حاضر ہوا ہوں؟ اس کا اصل سبب خواتین و حضرات یہ ہے کہ میں صمیم قلب سے محسوس کرتا ہوں کہ آج ان دونوں کے درمیان روابط کی پہلے سے زیادہ اہمیت ہے، کیونکہ اسلامی اور مغربی دنیا کے درمیان غلط فہمیوں اور بد گمانیوں کی خلیج خطرناک حد تک آج بھی پھیلی ہوئی ہے اور آج کی باہم دگر انحصار کرنے والی دنیا میں ان دونوں کے درمیان بقائے باہم اور اشتراک عمل کی ضرورت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے، اسی کے ساتھ میں اس راہ کی ان دشواریوں اور خطرات سے بھی بے خبر نہیں ہوں جو ایک غیر محتاط راہی کو پیش آسکتے ہیں۔ جو بھی اشتراک اور تعاون کی اس راہ پر چلے گا اسے تنقید، اختلاف، غلط فہمیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، تاہم ان تمام امکانی مشکلات اور دشواریوں کے سامنے مجھے عربی کی ایک اور ضرب المثل یاد آرہی ہے "جو بات ہونٹوں سے نکلتی ہے وہ کانوں تک پہنچتی ہے اور جو بات دل

سے نکلتی ہے وہ دل تک پہنچتی ہے۔"

سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ بیسویں صدی کے اس نصف آخر میں ذرائع ابلاغ، رابطہ عامہ، ٹیکنالوجی کی حیرت ناک ترقی، سیر و سفر کی آسانیوں اور عالمی پیمانے پر سیاحت، اقوام و ملل کے باہمی تعارف اور میل جول اور دنیا میں باہمی طور پر اجنبیت کے بڑی حد تک ختم ہو جانے کے باوجود اسلام اور مغربی دنیا کے درمیان غلط فہمیاں برقرار ہیں بلکہ ان میں اضافہ ہو رہا ہے جہاں تک مغرب کا تعلق ہے تو یہ غلط فہمیاں محض ناواقفیت کے سبب ہی نہیں ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب ہے۔ ان میں سے کروڑوں دولت مشترکہ کے ممالک میں رہتے ہیں۔ ایک کروڑ مسلمان مغرب میں ہیں اور ۱۰ لاکھ مسلمان برطانیہ میں آباد ہیں۔ ہماری اپنی اسلامی برادری میں ایک مدت سے تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ برطانیہ میں تقریباً ۵ سو مساجد ہیں اور یہاں اسلامی ثقافت میں عوامی دلچسپی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ۱۹۷۶ء میں مکہ معظمہ نے جس شان دار اسلامی میلے (اسلامک فیسٹیول) کا افتتاح کیا تھا آپ کو وہ تقریب یاد ہو گی اور شاید آپ میں سے کچھ نے اس میں شرکت بھی کی ہو۔ اسلام ہمارے گرد و پیش موجود ہے، پھر بھی بد گمانی بلکہ خوف اور خدشات کی دیواریں کھڑی ہیں۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں سرد جنگ ختم ہونے کے بعد کے دور میں امن کے امکانات اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اس صدی میں پہلے کبھی نہیں تھے۔ مشرق وسطی میں پچھلے ہفتے جو واقعات ہوئے ہیں ان میں سے اندوہناک صورت حال کے ختم ہونے کی توقعات پیدا ہو گئی ہیں، جس نے ایک طویل عرصے سے دنیا کو دو صفوں میں بانٹ دیا تھا اور جس سے تشدد اور نفرت کے روز افزوں واقعات جنم لیتے تھے، تاہم خطرات ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔ جنوبی عراق میں ہم دلدلی علاقے کے عربوں کا عجیب و غریب طرز زندگی دیکھ رہے ہیں جو ہزاروں سال قدیم ہے اور اب جسے بند طریقے سے مٹایا جا رہا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ گذشتہ ایک سال سے میں موقع

کی تلاش میں تھا کہ اس ناقابل بیان دہشت گردی پر احتجاج کر سکوں جس کا جنوبی عراق میں ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ بین الاقوامی برادری کو اس بارے میں بتایا جا چکا ہے۔ آخر اس سلسلے میں کب کارروائی کی جائے گی۔ اس آخری مرحلے پر بھی اگر اقدام کیا جائے تو مکمل تباہی کو روکا جاسکتا ہے۔ میری دعا ہے کہ کم از کم اس ایک معاملے میں ہی عالم اسلام اور مغرب مشترکہ طور پر کارروائی کریں تاکہ ہم انسانیت کا دفاع کر سکیں۔ میں نے اس مخصوص مثال کو اس لیے پیش کیا ہے کیونکہ اقدام کر کے اسے روکا جاسکتا ہے، دیگر علاقوں میں نفرت اور تشدد کی جو مثالیں ہیں وہ زیادہ پیچیدہ اور گہری ہیں، جہاں ہم روزانہ لوگوں کے آلام و مصائب اور بربریت کے واقعات دیکھتے اور سنتے ہیں، جیسے سابق یوگوسلاویہ میں، صومالیہ میں، انگولہ میں، سوڈان میں اور سابق روسی جمہوریاؤں میں، بوسنیا میں مسلمان اور ان کے ساتھ دیگر فرقے جن آلام و مشکلات اور خوں ریزی کا شکار ہو رہے ہیں، ان میں سے ان خدشات اور تعصبات کو زندہ رہنے میں مدد ملی ہے جو اسلامی اور مغربی دنیا میں ایک دوسرے کی بابت پھیلے ہوئے ہیں۔ طاقت کے غلط استعمال اور نظریات کے تصادم سے بھی تنازعات پیدا ہوتے ہیں۔ غیر ذمہ دار اور انتہا پسندوں کی اشتعال انگیز سرگرمیوں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ لیکن تفہیم کی ناکامی، غلط فہمی اور بد گمانی کے گہرے جذبے سے جو خوف اور بد اعتمادی ہوتی ہے وہ الم ناک طور پر ایسے ہی تنازعات پیدا کرتی ہے۔

خواتین و حضرات! ہمیں خوف اور حد بندیوں کے ایک نئے دور میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس سمٹتی ہوئی دنیا میں عوام، حکومتیں، اقوام اور مذاہب حد بندیوں میں بٹ کر امن و سکون سے زندہ نہیں رہ سکتے۔ کئی لحاظ سے یہ عجیب سا لگتا ہے کہ اسلام اور مغرب کے درمیان غلط فہمیاں برقرار ہیں جب کہ جو چیزیں ہم دونوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرتی ہیں وہ ان چیزوں سے کہیں زیادہ مضبوط اور اہم ہیں جو ہمیں

تقسیم کرتی ہیں۔ ہماری بہت سی اہم قدریں مشترک ہیں۔علم کی تعظیم، عدل کی عزت، غریبوں اور پریشان حال افراد پر رحم کرنا، عائلی زندگی کی اہمیت، والدین کا ادب اور تعظیم وغیرہ، اپنے والدین کی عزت کرو، یہ قرآن کی تعلیم بھی ہے۔ ہماری تاریخ بھی باہم کافی مربوط رہی ہے۔ لیکن اس میں ایک مشکل یہ ہے کہ تاریخ کا بیشتر حصہ تنازعات میں الجھا ہوا ہے۔ چودہ صدیوں کی یہ تاریخ بیشتر تنازعات کی تاریخ بن گئی ہے، اس سے بداعتمادی اور خوف کی مستقل روایتیں قائم ہو گئی ہیں۔ کیونکہ دونوں فریق ماضی کو دو متضاد زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ مغرب میں بہت سے لوگ اسلام کو لبنان کی خانہ جنگی، مغربی ایشیا میں انتہا پسندوں کی جانب سے دہشت گردی کے ارتکاب اور اسلامی بنیاد پرستی کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ اس انتہا پسندی کو معیار بنا کر ہی اسلام کے بارے میں اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔

خواتین و حضرات! یہ بڑی سنگین غلطی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے انگلینڈ میں قتل و زنا، بچوں کے استحصال اور منشیات کے استعمال وغیرہ کے واقعات کے تناظر میں برطانیہ کے معیار زندگی کا اندازہ لگایا جائے۔ انتہا پسندی دونوں طرف ہے اور اس کا تدارک ہونا چاہیے، لیکن جب اسے کسی معاشرے کی بابت فیصلہ کرنے کے لیے بطور معیار استعمال کیا جائے گا تو اس سے غلط اور غیر منصفانہ نتائج ہی سامنے آئیں گے۔ اسلام کے بارے میں مغرب کا ایک اور کھلا تعصب یہ ہے کہ وہ اسلامی معاشرے میں عورتوں کے مقام کا تعین کچھ انتہا پسندانہ مثالوں کی بنیاد پر کرتا ہے۔ جائداد اور وراثت میں عورتوں کے حق، طلاق کی صورت میں ملنے والے تحفظات، کاروبار کرنے کا حق وغیرہ کی بابت حقوق قرآن میں چودہ سو سال قبل بیان کیے جا چکے ہیں، ان میں سے کئی حقوق برطانیہ میں میری دادی کے عہد تک عورتوں کو حاصل نہیں تھے۔

مغرب میں ہمارے لیے بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے بارے میں عالم اسلام کے

خیالات و نظریات کو جاننے کی کوشش کریں۔ اس بے خبری سے حاصل تو کچھ نہیں ہو
ہاں ہم بہت کچھ کھو سکتے ہیں، اگر ہم نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ عالم اسلام میں
کس حد تک لوگ ہمارے مغربی کلچر اور مادیت کے ان گہرے اثرات سے خائف ہیں
جن سے اسلامی تہذیب اور مسلمانوں کے طرز حیات کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے،
مغربی مادیت اور تہذیب کو اسلامی تہذیب اور مسلم معاشرے کے لیے ایک مہلک چیز
سمجھتے ہیں۔ ہم میں سے کچھ لوگ ان جدید آسائشوں کو جنھوں نے مغربی زندگی کو ا
کر رکھا ہے مثلاً ٹیلی ویژن، فوری طور پر تیار ہو جانے والی غذائی اشیاء، الیکٹرانک آلا
وغیرہ جو جدید معیار زندگی کے مظہر ہیں مسلم ممالک میں بر آمد کر رہے ہیں اور اس سے
وہاں مغرب کا اچھا اثر پیدا ہو رہا ہے، لیکن اگر ہم دوسرے ممالک میں جدیدیت کا مفہو
یہ لیتے ہیں کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں تو ہم اپنے آپ کو ایک بھیانک غلطی میں مبتلا
رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری مغربی مادیت سے متقی مسلمانوں کو تکلیف پہنچ
ہے۔ میں یہاں مسلمانوں کے انتہا پسند طبقے کی بات نہیں کر رہا ہوں ہمیں اس ردعمل
سمجھنا چاہیے۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اس خطرے کو سمجھنے میں مدد ملے گی جے
ہم اسلامی بنیاد پرستی کہتے ہیں۔ ہمیں اس جذباتی اصطلاح کے استعمال میں بھی احتیاط سے
کام لینا چاہیے اور بنیاد پرستی و احیا پسندی کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یعنی وہ لوگ
جو مذہبی شعائر پر زیادہ اخلاص اور ارتقا کے ساتھ عمل پیرا ہونا چاہتے ہیں وہ انتہا پسند
جنونی جو اسے اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، مسلمان اس فرق
کو سمجھتے ہیں اور ہمیں بھی اسے سمجھنا چاہیے۔ اسلامی احیا پسندی کے متعدد سماجی، سیاسی
اور مذہبی اسباب میں سے ایک اہم سبب مغربی مادیت اور ٹیکنالوجی سے بیزاری کے سبب
پیدا ہونے والا وہ شدید جذبہ ہے کہ مادیت فضول چیز ہے اور زندگی کا اصل مقصد اسلام
تعلیمات کی سچی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہمیں اس غلط فہمی کا شکار بھی

نہیں ہونا چاہیے کہ انتہا پسندی مسلمانوں کی شناخت ہے۔ انتہا پسندی اسلام میں ہی نہیں دوسرے مذاہب بشمول عیسائیت میں بھی پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی غالب اکثریت جو ذاتی زندگی میں پاک نفس ہے سیاست میں اعتدال پسند ہے۔ ان کا مذہب اعتدال کا مذہب ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ انتہا پسندی کو ناپسند فرمایا۔ بہرحال اسلامی احیا پسندی کا وہ خوف جو ۱۹۸۰ء کی دہائی میں مغرب میں ابھرا تھا، اب اس کی جگہ اس کے پیچھے جو حقیقی روحانی قوت ہے اس کے سمجھنے کا شعور پیدا ہو رہا ہے۔

خواتین و حضرات ! مغرب میں جہاں اسلام کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں ہیں وہیں ہماری تہذیب پر اسلام کے جو اثرات اور احسانات ہیں ان سے ناواقفیت بھی اتنی ہی گہری ہے، یہ ناکامی اور ناواقفیت ان تاریخی بداعتمادیوں کا براہ راست نتیجہ ہے جو ہمیں ورثے میں ملی ہیں۔ عہد وسطی کی اسلامی دنیا جو وسط ایشیا سے بحر ظلمات (اٹلانٹک) تک پھیلی ہوئی تھی اس میں علما و فضلا اور اہل کمال کی بہتات تھی۔ لیکن ہم اسلام کو مغرب کے دشمن کے رنگ میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے ایک خارجی تہذیب و معاشرہ اور عقیدہ سمجھتے ہیں، اس لیے ہماری تاریخ پر اس کے جو عظیم اثرات ہیں انہیں بھی ہم مٹانے اور نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم اسپین میں آٹھویں صدی سے پندرھویں صدی تک آٹھ سو سال کے دوران اسلامی کلچر کے اثرات اور اہمیت کو غیر اہم اور کم کر کے دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، یورپ کے دور ظلمت میں قدیم علمی اثاثوں کے تحفظ اور یورپ کی اولین نشاۃ ثانیہ میں مسلم اسپین کا جو کردار رہا ہے، اسے کافی عرصہ قبل تسلیم کیا جاچکا ہے، لیکن اسلامی اسپین صرف ایک ایسا اطلاق نہیں تھا جہاں یونانی علوم کے خوان اس لیے رکھے گئے تھے کہ بعد کو فروغ پانے والی جدید مغربی دنیا اس سے اپنی بھوک مٹائے، بلکہ مسلم اسپین اس سے کہیں زیادہ علمی اور فکری اہمیت کا حامل تھا۔ مسلم اسپین نے نہ صرف قدیم یونان اور

روما کے علمی اور تہذیبی ورثے کی حفاظت کی ۔ہے بلکہ ان کا ترجمہ کر کے ان میں بیش قیمت اضافے بھی کئے ہیں۔انسانی علم کے میدان میں سائنس ، فلکیات، ریاضی الجبرا (اس کا نام ہی اس کے اسلامی ماخذ کا شاہد ہے) قانون، تاریخ، طب، ادویہ سازی امراض چشم، زراعت، فن تعمیر، دینیات اور موسیقی میں بھی بیش بہا اضافے کیے۔ ابن رشد اور الزہراوی ، مشرق میں ابن سینا اور رازی کی ہی مشہور اور عظیم تھے ، انہوں نے علم طب میں وہ تصنیفات کیں جن سے بعد کو مغرب نے صدیوں تک فیض اٹھایا۔ اسلام نے تحصیل علم کے جذبے کو فروغ دیا اور اسے برقرار رکھا، حدیث کے الفاظ میں ایک عالم کے قلم کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہے۔ دسویں صدی عیسوی میں قرطبہ یورپ کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور تہذیب یافتہ شہر تھا۔جب ہمارے ملک میں شاہ الفریڈ مطبخی آرٹ میں احمقانہ غلطیاں کر رہا تھا ، اس وقت اسپین میں ایسی لائبریریاں تھیں جہاں پڑھنے والوں کو کتابیں مستعار دی جاتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس مسلم حکمران کی لائبریری میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔ یہ تعداد اس وقت پورے یورپ کی لائبریریوں میں موجود کتابوں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ تھی۔ یہ اس لیے ممکن ہو سکا کیونکہ مسلم اسپین نے غیر مسلم یورپ سے چار سو سال قبل چینیوں سے کاغذ بنانے کا ہنر سیکھ لیا تھا۔ ان میں متعدد خصوصیات جن پر آج جدید یورپ ناز کرتا ہے مسلم اسپین سے آئی ہیں، سفارت، آزاد تجارت، کھلی سرحدیں، علمی تحقیق کا انداز ، علم الانسان، علم مجلس فیشن، متبادل ادویہ، اسپتال یہ سب مسلم اسپین سے آئے ہیں۔ عہد وسطی کا اسلام نمایاں رواداری رکھنے والا مذہب تھا ، اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنے آبائی عقیدے پر عمل کرنے کی مکمل آزادی تھی۔مسلمانوں نے ایک ایسی مثال قائم کی جس کی بد قسمتی سے صدیوں تک مغرب نے پیروی نہیں کی۔

خواتین و حضرات ! حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلام اتنی طویل مدت تک یورپ

کا حصہ رہا ہے پہلے، اسپین اور اس کے بعد ریاستہائے بلقان میں، اور اسلام نے یورپ کی تہذیب کو (جسے ہم غلط طور پر کلیۃً" مغربی تہذیب کہتے ہیں) مالا مال کیا ہے۔ انسانی سرگرمیوں کی تمام راہوں پر ماضی اور حال دونوں میں اسلام ہمارے ساتھ رہا ہے۔ اس نے جدید یورپ کی تشکیل میں مدد کی ہے۔ یہ ہماری وراثت کا ایک حصہ ہے، کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اسلام آج کی دنیا میں ہمیں زندگی اور فہم کا وہ طریقہ سکھاتا ہے جسے کھو کر مسیحیت آج بے مایہ نظر آتی ہے۔ اسلام بنیادی طور پر کائنات کا ایک مربوط نظریہ پیش کرتا ہے۔ وہ انسان اور فطرت کو، سائنس اور مذہب کو، اور مادہ کو علیحدہ نہیں کرتا۔ وہ ہمارا اور ہماری گرد و پیش کی کائنات کا ایک مربوط اور مابعدالطبیعاتی نظریہ رکھتا ہے۔ مسیحیت کی بنیادی تعلیم میں بھی دنیا کی اہمیت و عظمت اور ہمارے گرد و پیش فطرت کی امانتوں کے تحفظ کی ذمہ داری ہمارے سپرد کی گئی ہے، لیکن کوپرنیکس اور ڈیکارٹس کے نظریات اور سائینسی انقلاب کے بعد مغرب نے رفتہ رفتہ کائنات کے اس مربوط تصور کو فراموش کر دیا۔ اب فطرت کے بارے میں ایک مبسوط نظریہ ہماری روزمرہ کی زندگی کا تصور نہیں رہ گیا۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہم اپنے گرد و پیش کی دنیا میں ہمہ گیر دلچسپی کا پرانا انداز فکر دوبارہ تلاش کر لیں اور اس کے زیادہ گہرے اور وسیع تر مفہوم کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ مغرب میں اپنے گرد و پیش سطحی انداز کی زندگی کی روز افزوں عادتوں سے دور ہونا شروع کر دیں، جہاں ہمارا نظریہ محض جوڑ توڑ اور استحصال اور برتری قائم کرنے کا ہے، جس نے خوب صورتی اور توازن کو عدم توازن اور انتشار میں بدل دیا ہے۔

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ گذشتہ کئی صدیوں سے ہم نے اپنے گرد و پیش جو خارجی دنیا پیدا کر لی ہے اس کا اثر ذہنی، فکری حد بندیوں اور انتشار کی صورت میں ظاہر ہونے لگا ہے۔ ہماری ماحولیاتی ذمہ داریوں کے مقابلے میں مغربی تہذیب

روز بروز حصول پرست اور استحصال پسند ہوتی جا رہی ہے۔ اپنے گرد و پیش کی دنیا سے روحانی قربت اور وحدت اور امانت کا اہم تصور یقیناً ایک ایسی بیش قیمت شے ہے جو ہم اسلام سے دوبارہ سیکھ سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری یہ باتیں سن کر کچھ لوگ اپنی عادت کے مطابق مجھ پر ماضی پرستی اور جدید زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونے کا الزام لگائیں گے، حالانکہ اس کے برعکس خواتین و حضرات، جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ ہے کہ ہم اپنی دنیا کو زیادہ بہتر، وسیع اور گہرے مفہوم کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ ہماری زندگی پر اس کے مادی اور روحانی اثرات مرتب ہوں۔ اور ہم اس توازن کو پھر حاصل کر سکیں جسے ہم نے گنوا دیا ہے اور جس کے دوبارہ حاصل نہ کر سکنے کا انجام بڑا المناک ہو گا۔ اگر اسلام یا دیگر مذاہب میں ایسے خیالات اور طریقے ہیں جو اس تلاش میں ہماری مدد کر سکتے ہیں تو بلاشبہ ہمیں یہ باتیں ان سے سیکھنی چاہیں لیکن بدقسمتی سے ہم ایسا نہیں کر رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! آج ہم ایسی دنیا میں رہتے ہیں جہاں فاصلے مٹ گئے ہیں ٹی وی اور دیگر ذرائع سے اطلاعات کے فوری تبادلے اس قدر برق رفتاری سے ہوتے ہیں کہ ہمارے اجداد ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ عالمی معاشیات باہمی انحصار کی اکائی بن گئی ہے۔ سماجی مسائل، معیار زندگی اور ماحولیات کا مسئلہ اپنے اسباب اثرات کے اعتبار سے آفاقی نوعیت کے مسائل بن گئے ہیں اور کوئی بھی انہیں اپنے طور پر حل کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اسلامی اور مغربی دنیا کے متعدد مسائل مشترک ہیں ہم اپنے معاشرے میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں ہماری نئی نسلیں جو اپنے والدین اور معاشرتی انداز سے بے گانہ ہوتی جا رہی ہیں، ہم کس طرح ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ ہم ایڈس کی بیماری، منشیات کے استعمال اور خاندان کے انتشار کے مسائل کو کس طرح حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟ بلاشبہ ہر معاشرے میں

ان مسائل کی نوعیت اور سنگینی مختلف انداز کی ہے۔ ہمارے اپنے شہروں کے مسائل دمشق اور قاہرہ کے مسائل سے مختلف ہیں، تاہم انسانی تجربات کی یکسانیت قابل لحاظ ہے۔ منشیات کی عالمی تجارت کا مسئلہ اس کی ایک مثال ہے اور ہم اجتماعی طور پر جس طرح اپنے ماحولیات کو نقصان پہنچا رہے ہیں وہ اس کی دوسری مثال ہے۔ ہمیں اور ہمارے افراد کی زندگی کو جو خطرات درپیش ہیں انہیں ہم مشترکہ جدوجہد سے ہی دور کرسکتے ہیں، اگرخلوص اور سادہ دلی سے ایک دوسرے کو سمجھنے اور پہچاننے کی کوشش کریں تو اس سے بڑے حیرت ناک نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ میں یہاں ایک چھوٹی سی مثال دوں گا۔ اب سے کچھ سال قبل ہم لندن میں مسلم اور غیر مسلم طلبہ کی ایک جماعت کو میریلبون مرکز صحت دکھانے کے لیے لے گئے۔میں اس مرکز کا سرپرست بھی ہوں۔ تجربے کے اشتراک کے جوش سے ان زائرین میں دوستی کا جو جذبہ پیدا ہوا وہ واقعی دلوں کو گرما دینے والا تھا۔

خواتین و حضرات! ہمیں بہرحال ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے قدم بڑھانا ہوگا اور اپنی نئی نسلوں کو جن کا رویہ اور سماجی نظریہ ہم سے مختلف ہوسکتا ہے، انہیں بھی ذہنی طور پر آمادہ کرنا ہوگا تاکہ وہ بھی ایک دوسرے کو سمجھ سکیں، اگر ہمیں مشترکہ میدان کی تلاش ہے اور مسائل کے حل کے لیے ہم مشترکہ اقدام کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اعتماد، باہمی احترام اور رواداری کو کام میں لانا ہوگا، ہم ماضی کی علاقائی اور سیاسی محاذ آرائی کو برقرار نہیں رکھ سکتے، ہمیں اپنے تجربات میں اشتراک کرنا ہوگا۔ایک دوسرے سے ان کی وضاحت کرنا ہوگی اور ہمارے دونوں معاشروں کے درمیان جو مثبت اصول ہیں ان کی بنیاد پر تفہیم اور رواداری کی عمارت بنانی ہوگی۔ یہ تجارت دورخی ہے۔ ہم دونوں کو یہ بات سمجھنا ہوگی، اپنے دماغوں اور دلوں کے دروازے ایک دوسرے کے لیے کھولنے ہوں گے، مجھے یقین ہے کہ عالم اسلام اور مغرب کو ایک دوسرے سے بہت

کچھ سیکھنا ہے، جس طرح کسی خلیجی ملک میں پیٹرولیم انجینئر ایک یورپی ہوسکتا ہے اسی طرح برطانیہ میں تبدیلی قلب کا آپریشن کرنے والا ڈاکٹر مصری باشندہ بھی ہوسکتا ہے۔

(بہ شکریہ "التوعیہ"، دہلی)